حلال جانوروں کے مکروہ اجزاء کی تحقیق

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149
H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001
Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

الخير المأمول

فی كراهة الأجزاء السبعة من الحيوان المأكول

یعنی

حلال جانوروں کے مکروہ اجزاء کی تحقیق

تمہید وتقدیم

تقریباً دو سال قبل بقرعید کے موقع پر احقر نے خطبۂ جمعہ میں کپورے کھانے کا عدمِ جواز بیان کیا تو بعض حضرات نے اس پر دلیل اور حوالہ چاہا، راقم نے اس کا مفصل جواب حوالۂ قلم کیا اور وہ اسی زمانے میں ماہنامہ ''اسلامی مشغلے'' اور ہفتہ وار ''عروج ہند'' بنگلور میں شائع ہوا، مگر اس مفصل جواب میں کپورے کے عدمِ جواز پر ایک حدیث سے استدلال اور اس حدیث کا درجہ پیش کرنے پر اکتفاء کیا گیا تھا اور حضرات علماء وفقہاء (جو سب سے زیادہ احادیث کو سمجھنے والے ہیں) کے اقوال پیش نہیں کئے گئے تھے، حالانکہ یہ ضروری امر تھا، لہٰذا اس جواب پر نظر ثانی کرکے نئی ترتیب، وضاحت طلب امور کی تشریح وتوضیح اور ترمیم واضافہ کے ساتھ اسکو مرتب کیا گیا جو ابھی آپکی نظروں سے گذرے گا۔ اس طرح اس موضوع پر ایک مفصل و مدلل رسالہ ہوگیا، لہٰذا اسکا ایک نام بھی تجویز کیا گیا یعنی'' الخير المأمول فى كراهة الأجزاء السبعة من الحيوان المأكول'' ولله الحمد على ذالك ـ

دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس سے خلائق کو نفع پہنچائے اور میرے لئے ذخیرۂ معاد بنائے۔ آمین

فقط

حررہ العبد محمد شعیب اللہ عفی عنہ

۲۹ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

حلال جانور کی سات چیزیں ناجائز ہیں

معلوم ہونا چاہئے کہ حلال جانور کی سات چیزوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور ان اجزاءِ حیوان کا ناجائز ہونا حدیث سے ثابت ہے اور فقہاءِ کرام نے حدیث ہی سے استدلال کر کے ان سات چیزوں کا ناجائز ہونا، اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے، مگر افسوس کہ بہت سے لوگ ان میں سے بعض چیزوں کو استعمال کرتے ہیں اور ناجائز کام کے مرتکب ہوتے ہیں، اسی لئے کسی قدر وضاحت سے اس مسئلہ کو تحریر کیا جاتا ہے۔

حدیثِ نبوی

پہلے ہم حدیثِ رسول پیش کریں گے، پھر فقہاءِ کرام کے حوالے دیں گے۔

امام عبدالرزاق اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے حضرت مجاہدؒ سے مرسلاً اور امام بیہقی نے حضرت مجاہد سے مرسلاً اور انہی کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے موصولاً اور امام طبرانی نے حضرت ابن عمر سے موصولاً روایت کیا ہے کہ:

﴿كَرِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الشَّاةِ سَبْعاً: المَرَارَةَ وَالْمَثَانَةَ وَالْغُدَّةَ وَالْحَيَاوَالذَّكَرَ وَالأُنْثَيَيْنِ وَالدَّمَ ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحِبُّ مِنَ الشَّاةِ مُقَدَّمَهَا﴾ (۱)

(رسول اللہ ﷺ نے بکری میں سے سات چیزوں کو ناپسند کیا ہے: (۱) پتا (۲) مثانہ یعنی پیشاب کی تھیلی (۳) غدود (۴) حیا یعنی مادہ کی شرمگاہ (۵) ذکر یعنی نر کی شرمگاہ (۶) خصیتین یعنی کپورے اور (۷) خون، اور آپ کو بکری کے سامنے کا حصہ پسند تھا)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۵۳۵/۴، کتاب الآثار: ۱۷۹، سنن بیہقی: ۷/۱۰، طبرانی معجم اوسط: ۱۸۱/۹

یہ حدیث کس درجہ قابل احتجاج ولائقِ استدلال ہے، اس پر ہم نے رسالہ کے آخر میں اہل علم کے لئے عربی میں بحث کی ہے، اہل علم اس کو دیکھ لیں، البتہ یہاں اس قدر عرض کرنا مناسب ہے کہ یہ حدیث حضرت امام مجاہد سے مرسلاً بھی آئی ہے اور ان کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے موصولاً بھی آئی ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، اور اس کی وہ سند جو مرسلاً آئی ہے وہ لائق احتجاج ہے، اس میں جو کچھ اشکال ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ مرسل ہے، لیکن مرسل حدیث جمہور فقہاء اور بہت سے محدثین کے نزدیک لائق احتجاج ہے، اور بالخصوص اس وقت جبکہ اس کی تائید کسی اور مرسل یا موصول حدیث سے ہوتی ہو تو سبھی کے نزدیک وہ قابل قبول ہے اور یہاں اس کی تائید حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کی موصول روایات سے ہو رہی ہے جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، لہٰذا ایسی حدیث سب کے نزدیک قابل قبول ہے، اس لئے یہ مذکورہ حدیث مقبول و قابل احتجاج و لائق استدلال ہے۔

حدیث میں بکری سے مراد حلال جانور ہے

اس کے بعد یہاں پہلے اس حدیث کی ضروری شرح حوالۂ قرطاس کی جاتی ہے۔ سب سے پہلی بات اس حدیث میں سمجھنے کی یہ ہے کہ: ''شاۃ'' (بکری) سے مراد تمام حلال جانور ہیں، صرف بکری نہیں۔ چنانچہ حضراتِ علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے تمام حلال جانوروں کی مذکورہ سات چیزوں کا یہی حکم بیان کیا ہے اور جہاں کہیں فقہاء کی عبارت میں بکری کا لفظ آ گیا ہے، علماء نے اسکو قیدِ اتفاقی قرار دیا ہے، اور تمام حلال جانوروں کا ایک ہی حکم لکھا ہے۔

علامہ حصکفیؒ کی عبارت میں ان سات چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے ''شاۃ''

(بکری) کالفظ آ گیا تو اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: " ذکر الشاة اتفاقی ؛ لأن الحکم لایختلف فی غیرها من المأ کولا ت"(بکری کا ذکر اتفاقی ہے، اس لئے کہ دوسرے حلال جانورں کا حکم اس سے مختلف نہیں ہے) ۔ (۱)

الغرض حدیث میں اگر چہ بکری کے مذکورہ اجزاء کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، مگر حکم کے لحاظ سے تمام حلال جانوروں کے مذکورہ اجزاء مراد ہیں۔

مچھلی کے مذکورہ اجزاء کا حکم

مچھلی کے ان سات اجزاء کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں قدیم فقہاء کی کوئی تصریح نہیں ملی، البتہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

’’ کلام اس میں یہ ہے کہ جو اجزاء حیوانِ دموی میں حرام ومکروہ ہیں، وہ سمک (مچھلی) میں بھی حرام ومکروہ ہیں یا نہیں؟ پس جبکہ میتہ (مردار) ہونا مچھلی کا حرمت وکراہت کا سبب نہیں ہے، تو یہ مقتضی اس کو ہے کہ اس کے اجزاء مثانہ وغیرہ حرام ونجس نہیں ہیں‘‘ ۔ (۲)

حضرت مفتی صاحبؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اجزاء صرف دموی حیوانات کے مکروہ ہیں اور غیر دموی جیسے مچھلی کے یہ اجزاء مکروہ نہیں ہیں۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم)

حدیث میں مذکور سات اجزاء

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں حلال جانور کی سات چیزوں کو ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہیں:

(۱) المرارة ، یعنی پتا۔

---

(۱) شامی: ۶/ ۷۴۹ (۲) عزیز الفتاوی: ۷۵۹

(۲) المثانة ، پیشاب کی تھیلی۔

(۳) الغدة، غدود۔

(٤) الحیا، مادہ جانور کی شرم گاہ۔

علامہ فیروز آبادیؒ فرماتے ہیں کہ: الحیا : الفرج من ذوات الخف والظلف والسباع "(یعنی "حیا" ان جانوروں کی فرج کو کہتے ہیں، جو سم و کھر والے ہوں اوران جانورں کی فرج کو جو چیرنے پھاڑنے والے ہوں)۔(۱)

اس میں حیا، فرج کو کہا گیا ہے اور فرج مؤنث کی شرم گاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے حیا کے معنے مادہ کی شرمگاہ۔

(۵) الذکر ، مذکر حیوان (نر جانور) کی شرمگاہ۔

(٦) الأنثیین ، خصیتین، اسی کو عام زبان میں "کپورے" کہا جاتا ہے۔

(۷) الدم، خون ۔

خون سے جمہور علماء کے نزدیک دمِ مسفوح (بہنے والا خون) مراد ہے، اور اس کا حرام ہونا خود قرآنِ مجید میں بھی صاف طور پر مذکور ہے، اور بعض علماء جیسے علامہ عزیزیؒ وغیرہ نے اس حدیث میں دم سے نہ بہنے والا خون مراد لیا ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک نہ بہنے والا خون جائز وحلال ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ ہمارے لئے دو خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلیّ۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ "(ہمارے لئے دو مرداروں اور دو خونوں کو حلال کیا گیا

---

(۱) القاموس المحیط: ۲۲۲/۴

ہے: دو مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون تو وہ جگر اور تلی ہیں)۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ بہنے والا جما ہوا خون جیسے تلی اور جگر جائز ہے۔ (واللہ اعلم)

الغرض جمہور کے نزدیک اس سے مراد بہنے والا خون ہے۔

اجزاءِ مذکورہ کی کراہت کا معنی

اس حدیث کی شرح کے سلسلہ میں تیسری بات یہ ہے کہ اس میں مکروہ کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، وہ فقہی اصطلاح میں استعمال نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ فقہی اصطلاح دورِ صحابہ کے بعد میں فقہاء نے مقرر کی ہے، بلکہ یہ لفظ یہاں اپنے عام معنی میں استعمال ہوا ہے، جس میں حرام و ناجائز بھی داخل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خود اس حدیث میں خون کو بھی مکروہ بتایا ہے، حالانکہ وہ بالاتفاق حرام ہے اور اس کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہاں مکروہ کے عام معنی مراد ہیں، جس میں حرام بھی داخل ہے۔

اب رہی یہ بحث کہ فقہی اصطلاح میں ان چیزوں کو حرام کہا جائے گا یا مکروہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا حرام ہونا قرآن و حدیث کی نصِ قطعی سے ثابت ہو، ان کو حرام اور جن کا حرام ہونا نصِ قطعی سے ثابت نہ ہو، بلکہ نصِ ظنی سے ثابت ہو ان کو مکروہ کہا جائے گا، اس اصول پر خون تو حرام ہوگا اور

---

(۱) أقول أخرجه أحمد :۵۴۲۳، ،والشافعی:۳۴۰/۱ ، وابن ماجه: ۳۳۱۴، والدار قطني مرفوعاً عن ابن عمر:۲۷۱/۴، والبیهقی مرفوعاً و موقوفاً عنه :۲۵۴/۱ ، وأورده ابن حجر في الدراية :(۲۱۲/۲) والتلخيص الحبير:(۱/ ۲۵) مرفوعاً و صحّحه موقوفاً على ابن عمرؓ ونقل تصحيح الموقوف عن الدارقطني وأبي زرعة وأبي حاتم . قلتُ : وهذا وإن كان موقوفاً فله حكم الرفع لأنه ليس مما يدرك بالقياس

باقی چھ چیزیں مکروہ کہلائیں گی۔

چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ: ’’امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ خون حرام ہے اور باقی چھ اجزاء کو میں مکروہ قرار دیتا ہوں۔ (۱)

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ:

” عن أبي حنيفة أنه قال : الدم حرام ، وأكره السّتّة ، فأطلق الحرام على الدم ، وسمّى ماسواه مكروهاً، لأن الحرام المطلق ماثبتت حرمته بدليل مقطوع به ، وهو المفسَّر من الكتاب ، قال اللّٰه تعالى : ﴿ أَوْ دَماً مَسْفُوْحاً ﴾ [الانعام] وانعقد الإجماع على حرمته۔ وأما حرمة ما سواه من السِّتَّة فما ثبت بدليل مقطوع به ، بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب المحتمل للتأويل ، أو الحديث ، فلذا فصّل فسمّى الدم حراماً وذا مكروهاً “

(حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ خون حرام ہے اور باقی چھ کو میں مکروہ ٹھہراتا ہوں۔ امام صاحبؒ نے خون کو حرام کہا اور باقی چھ کو مکروہ؛ کیونکہ حرام مطلق وہ ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو اور وہ قرآن میں مذکور بہنے والا خون ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے اور باقی چھ چیزوں کا حرام ہونا قطعی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اجتہاد یا ظاہرِ قرآن یا حدیث سے ثابت ہے، اس لئے ان میں سے خون کو حرام اور باقی کو مکروہ کہا ہے)۔ (۲)

پھر اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے اور علامہ حصکفیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے: ” كره تحريماً وقيل تنزيهاً ، فالأول أوجه “۔ (۳)

---

(۱) شامی: ۷۴۹/۶ (۲) بدائع الصنائع: ۶۱/۵ (۳) بدائع الصنائع: ۶۱/۵، درمختار مع شامی: ۷۴۹/۶

مکروہ کے ارتکاب پر گناہ ہوتا ہے

یہاں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ علماء نے حرام ومکروہ کی اصطلاح الگ الگ یہ بتانے مقرر نہیں کی ہے کہ حرام سے بچا جائے اور مکروہ سے بچنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان الگ الگ اصطلاحات کو مقرر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ دلائلِ شرعیہ بعض قطعی ہیں اور بعض غیر قطعی، پس جو ممنوعات، دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہوئے ان کو حرام کہا گیا اور جو دلائلِ غیر قطعیہ سے ثابت ہوئے ان کو احتیاط کے طور پر مکروہ کہا گیا، ورنہ بچنے کے حکم کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں، اس لئے دونوں سے بچنا چاہئے۔

علامہ ابن القیمؒ نے بہت صحیح فرمایا کہ:

حرام چیز پر مکروہ بولنے سے بعد میں آنے والے بہت سے لوگ غلطی میں پڑ گئے، ائمہ نے تو احتیاط کرتے ہوئے حرام کے بجائے لفظِ مکروہ استعمال فرمایا، پھر بعد والوں نے ان چیزوں سے حرمت ہی کی نفی کر دی، جن پر ائمہ نے مکروہ کا لفظ استعمال فرمایا تھا، پھر ان پر یہ لفظ بہت آسان ہو گیا۔(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ کا لفظ فقہاء وائمہ نے صرف احتیاط کے طور پر استعمال فرمایا تھا، ورنہ گناہ ہونے میں وہ حرام کی طرح ہے، اسی لئے امام محمدؒ کے نزدیک ہر مکروہ حرام ہے اور دیگر علماء کے نزدیک مکروہ حرام کے قریب ہے۔

الدر المختار اور البحر الرائق میں ہے کہ: ” كل مكروه حرام عند محمدؒ وعندهما إلى الحرا م أقرب“ (امام محمد کے نزدیک ہر مکروہ حرام ہے اور امام ابو حنیفہ وامام محمد کے نزدیک حرام کے قریب ہے)۔(۲)

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۳۹ (۲) الدر المختار مع الشامی: ۶/۳۳۷، البحر الرائق: ۸/۱۸۰

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ مکروہِ تنزیہی سے گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ مکروہِ تنزیہی سے بھی گناہ ہوتا ہے۔ (۱)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مکروہ کا ارتکاب بھی ناجائز ہے اور اس سے بھی گناہ ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ اشیاء سے بھی بچنا ضروری ہے۔

مکروہ کو حرام کہنا صحیح ہے

اسی تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ مکروہِ تحریمی کو حرام کہنا صحیح ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ نے ''بحرالرائق'' میں فرمایا کہ: "ویصح إطلا ق اسم الحرام علیه" کہ مکروہ تحریمی پر حرام کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔ علامہ حصکفی نے ''درمختار'' میں فرمایا کہ: "وأفاد في البحر صحة إطلا ق الحرمة على المكروه تحريماً" (یعنی بحر الرائق میں اس بات کا افادہ کیا ہے کہ مکروہ تحریمی کو حرام کہنا صحیح ہے)۔ (۲)

اور تحفۃ الملوک میں ہے کہ: "كل مكروه فى كتاب الكراهية فهو حرام عند محمد ، و عند أبي حنيفة و أبي يوسف : هو إلى الحرام أقرب. فلهذا عبّرنا عن أكثر المكروهات بالحرام"۔ (کتاب الکراہیہ میں جو بھی مکروہ کہا جائے وہ امام محمد کے نزدیک حرام ہے اور امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک وہ حرام کے قریب ہے، لہٰذا ہم نے اکثر مکروہات کو حرام سے تعبیر کیا ہے)۔ (۳)

معلوم ہوا کہ فقہاء کے یہاں اکثر مواقع پر مکروہ کو حرام سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے، اور اسی لئے علامہ کاسانی وعلامہ شامی وغیرہ نے ان سات چیزوں کو حرام سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ بہر حال ان چیزوں سے پرہیز حرام کی

---

(۱) کفایت المفتی: ۹/۱۳۱ (۲) درمختار: ۲/۱۶۱ (۳) تحفۃ الملوک: ۱/۲۲۳

طرح کرنا چاہئے، مکروہ کہکر ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔

حضراتِ فقہاء کے اقوال

اب آیئے اس مسئلہ پر حضرات فقہاء کرام کے اقوال کا مطالعہ کریں:

(۱) علامہ حصکفیؒ درمختار میں فرماتے ہیں:

" (كره تحريماً) قيل تنزيهاً والأول أوجه (من الشاة سبعٌ : الحيا، و الخصية، والغدة ، والمثانة ، والمرارة ، و الدم المسفوح ، والذكر، للأثر الوارد في كراهة ذلك "۔ **(بکری میں سے سات چیزیں مکروہِ تحریمی ہیں، اور بعض نے مکروہِ تنزیہی کہا ہے، مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اور وہ چیزیں یہ ہیں: مادہ کی شرم گاہ، کپورے، غدود، مثانہ، پتا، بہنے والا خون اور نر کی شرمگاہ، یہ چیزیں اس حدیث کی وجہ سے مکروہ ہیں جو ان کی کراہت کے بارے میں آئی ہے)۔(۱)**

(۲) علامہ کاسانیؒ "بدائع الصنائع" میں فرماتے ہیں:

" أما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول ، فالذي يحرم أكله منه سبعة : الدم المسفوح ، والذكر، و الأنثيان، والقبل، والغدة ، والمثانة، والمرارة "۔ **(ان چیزوں کا بیان جن کا کھانا حلال جانور میں سے حرام ہے، پس وہ چیزیں جن کا کھانا حرام ہے وہ سات ہیں: بہنے والا خون، نر کی شرمگاہ، کپورے، مادہ کی شرمگاہ، غدود، مثانہ اور پتا)۔(۲)**

(۳) "فتاوی عالمگیری" میں ہے:

"أما بيان ما يحرم من الحيوان سبعة : الدم المسفوح، والذكر، والخصية ، والقبل ، والغدة ، والمثانة ، والمرارة "۔(۳)

---

(۱) درمختار مع شامی: ۶/۷۴۹ (۲) بدائع الصنائع: ۵/۶۱ (۳) فتاوی عالمگیری: ۵/۲۹۰

(۴) علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار کی شرح میں فرمایا ہے کہ:

”مایحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول سبعةٌ :الدم المسفوح، والذكر،والأنثيان،والقبل،والغدة،والمثانة ، والمرارة“۔ (۱)

(۵) علامہ ابوالبرکات نسفیؒ ”کنز الدقائق“ میں فرماتے ہیں: ” كره من الشاة : الحياء، والخصية ، والغدة ، والمثانة ، والمرارة ، والدم المسفوح ، والذكر“۔ (۲)

(۶) علامہ ابن حسین الطّوریؒ نے تکملۂ بحرالرائق میں ”کنز الدقائق“ کی مذکورہ بالا عبارت کولیا ہے اوراس پراوپر پیش کردہ حدیث کوبطورِدلیل پیش کیا ہے۔ (۳)

یہ حضرات فقہاءِ کرام کی چند عبارات اس بارے میں بطور نمونہ نقل کی گئی ہیں، ورنہ اور بھی فقہاء نے اس کولکھا ہے۔ان عبارات میں جس طرح مکروہِ تحریمی کا اطلاق ان سات چیزوں پر کیا گیا ہے، اسی طرح انکوحرام بھی کہا گیا ہے اور اسکا صحیح ہونا ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔

حرام مغز کا حکم

یہاں تک یہ معلوم وثابت ہو چکا ہے کہ حلال جانور کی سات چیزیں باتفاقِ علماءِ احناف ناجائز ہیں، انکے علاوہ بعض علماء نے حرام مغز کو بھی حرام کہا ہے، چنانچہ علامہ نسفیؒ کی کنز الدقائق کے اس نسخے میں جو ہندوستان میں مطبوع ہے ”نخاع الصلب“ کو بھی مکروہات میں شمار کیا ہے، اورنخاع الصلب حرام مغز کو کہتے ہیں. نیز علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں اس کا ذکر کیا ہے اور مکروہ لکھا ہے۔ (۴)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار: ۶/۳۱۱ (۲) کنز الدقائق: ۴۹۶ (۳) تکملۂ بحرالرائق: ۸/۴۸۵

(۴) طحطاوی علی الدرالمختار: ۵/۳۶

اور حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے فتاوی میں اسکو حرام لکھا ہے۔ (۱)

نیز حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے بھی آخراً اسکے حرام ہونے کا فتوی دیا ہے۔ اور اسکی وجہ بقول حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے یہ ہے کہ ''اللہ تعالی کا قول ہے: ﴿وَ يُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الخَبَا ئِثَ﴾ (وہ نبی ﷺ خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) ضب (ایک جانور) کی حرمت میں حنفیہ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حرام مغز ایک ایسی چیز ہے کہ طبیعتِ سلیمہ کو اس سے نفرت واستقذار لازم ہے۔ (۲)

حدیث کا درجہ

اب آخر بحث میں ہم اس حدیث پر سند کے لحاظ سے کلام کرنا چاہتے ہیں جس سے حیوان کے اشیاءِ مذکورہ کا ناجائز ہونا ثابت ہوا، اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے؟ قابلِ احتجاج ہے یا نہیں؟

مگر چونکہ یہ اہم بحث صرف علماء کے کام کی چیز ہے، اس لئے اس کو عربی میں لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے، البتہ عوام کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ائمہ حدیث وفقہ نے اس سے استدلال کیا ہے، جس سے حدیث کا قابلِ اعتبار ہونا معلوم ہوتا ہے، خصوصا امام محمدؒ جیسے مجتہد نے کتاب الآثار میں اس سے سند لی ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ جس حدیث سے مجتہد احتجاج کرے وہ اسکے نزدیک صحیح ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا امام محمدؒ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہوئی۔ (۳)

---

(۱) فتاوی رشیدیہ: ۲/ ۶۷ (۲) حاشیہ امداد المفتین: ۱/ ۹۷، طبع کراچی (۳) دیکھو، اعلاء السنن کا مقدمہ: ۱/ ۳۷-۳۸

پھر مذکورہ حدیث کو علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے مرسل حسن یا صحیح کہا ہے۔(۱)

اور مرسل جمہور علماء کے نزدیک معتبر ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ اس کی تائید دوسری مرسل یا موصول روایت سے ہو رہی ہو، اگر چہ کہ وہ اس سے بھی کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہاں اس مرسل کی تائید دو موصول روایات سے ہو رہی ہے جو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے آئی ہیں، لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال ہے۔

أقول : هذا الحديث أخرجه الإمام محمد في (كتاب الآثار :١٧٩) والإمام عبد الرزاق في مصنفه: (٥٣٥/٤) و البيهقي في (السنن الكبرى:٧/١) كلهم عن مجاهد مرسلاً ، وقال البيهقي : هذا منقطع أي مرسل . ورواه البيهقي أيضاً عنه عن ابن عباس موصولاً ، وقال : فيه عمر بن موسى بن وجيه وهو ضعيف . وأخرجه الطبراني عن ابن عمر في (المعجم الأوسط :١٨١/٩) وفيه عبد الرحمن بن زيد بن أسلم وهو ضعيف .

والحاصل : أن الحديث أخرجه ثلا ثة من المحدثين ، محمدؒ في الآثار ، والطبرانيؒ في الأوسط ، و البيهقيؒ في السنن . و قد جاء الحديث مرسلاً و موصولاً . ثم الموصول جاء عن ابن عمر وابن عباس.

قلتُ : أما المرسل فأخرجه الامام محمدؒ والإمام عبد الرزاق عن الاوزاعي عن واصل بن أبي جميل عن مجاهد قال :كره رسول الله ﷺ الخ .

و هذا سند لا باس به ، فأما الإمام محمدؒ فهو أعرف من أن يعرف شأنه ، وهو ممن لا نظير له في عصره وبعده . قلت : هو محمد بن الحسن بن فرقد الكوفي الشيباني أبو عبد الله . ولد بواسط سنة اثنتين و

---

(۱) اعلاء السنن: ۱۳۰/۱۷

ثلاثين و مائة. كان أبوه من جند الشام ، فقدم واسط ، فولد له بها محمد ، ثم نزل الكوفة وتفقه ، ولازم أباحنيفةؒ ، وحمل عنه الفقه والحديث، وسمع من الثوريؒ ، وقيس بن الربيعؒ ، وعمر بن ذرؒ ، ومسعرؒ ، وغيرهم . وسمع الاوزاعيؒ بالشام ،ومالكاً بالمدينة. روى عنه الامام الشافعيؒ ، وروايته عنه موجودة في مسنده ، وإنكار ابن تيمية وغيره تلمّذ الشافعيؒ من محمدؒ مردود وإن جلّ قائله .وقد قال الشافعيؒ :حملتُ عن محمدؒ وقرَ بعير كتباً ، كما نقله ابن حجرؒ في "لسان الميزان: ١٣٨/٥" وروى عنه أبوعبيدة بن القاسم بن سلام ، وهشام بن عبد الله الرازي ، وأبوسليمان الجوزجاني وأبوجعفر أحمد بن محمد بن مهران ، وآخرون.

وأثنى عليه الأجلة ، ووثّقه الائمة . قال الإمام الشافعيؒ : ما رايتُ سميناً أخف روحاً من محمد بن الحسن ، وما رايتُ أفصح منه . وقال الربيع عن الشافعيؒ : حملتُ وقر بعير كتباً عن محمدؒ . وكان الشافعي يعظّمه ، وكذالك الإمام أحمد . وقال عبد الله بن علي المديني عن أبيه : صدوق . وقال الدارقطنيؒ : لايترك . وعن أبن معين :كتبتُ الجامع الصغير عن محمد بن الحسنؒ . (أبوحنيفه وأصحابه : ٧٤) . وقال أبوداودؒ : لا يستحق الترك . (لسان الميزان :٥/ ١٣٩). وعن أبي عبيد : ما رأيت أعلم بكتاب اللّٰه منه . وعن إبراهيم الحربيؒ : قلتُ لاحمد : من أين لك هذه المسائل الدقيقة ؟ قال : من كتب محمد بن الحسنؒ.(١)

وأما الأوزاعي شيخ الإمام محمد فهو عبد الرحمن بن عمرو بن محمد الأوزاعي ،كنيته أبوعمر ، يروي عن عطاء ، والزهري ، ونافع مولى ابن عمر ، ويحيى بن سعيد ، وعبد الرحمن بن قاسم بن محمد ،

---

(١)التعليق الممجد :٣٠

وغيرهم . وروى عنه مالك ، والشعبة ، والثوري ، وابن المبارك ، وابن أبي الزناد ، وعبد الرزاق ، وجما عة . قال ابن حبان :وكان من فقهاء الشام وقرائهم وزهادهم ومرابطهم .(١)

وقال ابن حجر في تهذيب التهذيب : قال ابن المهدى ما كان بالشام أعلم بالسنة منه . وقال عثمان الدارمي عن ابن معين ثقة . وقال أبوحاتم : إمام متّبع لما سمع . وقال ابن عيينه :كان إمام أهل زمانه . وقال ابن سعد :كان ثقةً ماموناً صدوقاً فاضلًا خيراً كثير الحديث والعلم والفقه . وقال يعقوب : ثقة ثبت .وقال النسائي : إمام أهل الشام وفقيههم . وقال الشافعي: ما رايتُ أحداً أشبه فقهه بحديثه من الأوزاعي. وقال الفلاس : ثبت .(٢)

وأما الواصل بن أبي جميل فقد اختلفت فيه أقوال الائمة ، فقال يحيى بن سعيد :ما أدري ما واصل هذا ولا أروى عنه شيئاً . وقال أحمد ابن حنبل: مجهول ، ما روى عنه غير الأوزاعي . وقال ابن معين في رواية إسحاق بن منصور عنه : لا شيء . وفي رواية ابن أبي مريم عنه : مستقيم الحديث .(٣)

قلتُ : قدأدخله ابن حبان في (الثقات : ٥٥٩/٧) . و إنما أدخل في الثقات من هوصالح للاحتجاج ،كما قال هو نفسه ، ولفظه : " فكل من أذكر في هذا الكتاب الاول فهو صدوق ، يجوز الاحتجاج بخبره ، إذا تعرى عن خصال خمس – الى أن قال :- ربما أذكر في هذا الكتاب الشيخ بعد الشيخ ، وقد ضعّفه بعض أئمتنا ، ووثقه بعضهم ، فمن صح

---

(١) كتاب الثقات: ٦٣/٧ (٢) ملخصاً من التهذيب: ٢٣٩/٦-٢٤١/٦ (٣) انظر التهذيب: ١٠٢/١١-١٠٣/١١

عندي منهم أنه ثقة ، فبالدلائل النيرة التي بيّنتُها في كتاب " الفصل بين النقلة " أدخلته في هذا الكتاب ؛ لأنه يجوز الاحتجاج بخبره .(١)

فالحاصل أن الواصل بن أبي جميل مختلف فيه ، ضعّفه ابن سعيد، وجهّله أحمد ، ووثّقه ابن حبان . وأما ابن معين فقد اختلفت فيه أقواله ، فقال مرةً : لا شيء ، وأخرى : مستقيم الحديث . فمثل هذا الراوي لاينزل عن درجة الحسن كما يفهم من صنيع أهل الصناعة ، وإليك شاهد منه :

قال ابن حجر في ترجمة عبد الله بن صالح كاتب الليث : قال ابن القطان : هو صدوق ، ولم يثبت عليه ما يسقط له حديثه إلا أنه مختلف فيه ، فحديثه حسن .(٢)

ولولا مخافة التطويل لأتيت لك بأزيد من شاهد . و أما مايقال : إن الجرح مقدم على التعديل فهو ليس على إطلاقه ، بل إذا كان الجرح مُفسّراً بسبب يقدح في ضبطه وعدالته .وقد فصل هذا الحديث الشيخ عبد الحى اللكنوى فى كتابه "الرفع والتكميل " وأصاب وأجاد فجزاه الله تعالى (٣)

وههنا في الواصل بن أبيجميل الجرح ليس مفسراً ، كما ترى فلا ينزل حديثه عن درجة الحسن .

ثم ليعلم أن الراوي الذي روى عنه واحد اختلفوا فيه، والجمهور على أن لا تقبل روايته ، ولكن قال ابن الصلاح في مقدمته : " قلت : قد خرّج البخاري في صحيحه حديث جماعة ليس لهم إلا راو واحد ، منهم مرداس الأسلمي لم يرو عنه غير قيس بن أبي حازم ، وكذلك

---

(١) **على هامش كتاب الثقات** : ٤/٤ (٢) **تهذيب التهذيب** :٥ /٢٦٠ (٣) أنظر الرفع والتكميل مع تعليقات الشيخ العلامة عبد الفتاح أبى غد ه :٧٩-١٢٠ للشيخ اللكنوي

خرّج مسلم حديث قوم لا راوي لهم غير واحد الخ .(١)

وقد قيل في هذا القسم من الراوي أنه إن زكّاه أحد من أئمة الجرح والتعديل مع رواية واحد عنه قُبِلَ و إلا فلا ، واختاره أبوالحسن بن القطان ، وصححه شيخ الاسلام ابن حجر .كذا فى تدريب الراوى مقدمه اعلاء السنن : (١/ ١٢٦)

فعلى هذا أيضاً يُقبَلُ حديث واصل هذا ؛ لأنه وثقه ابن حبان وابن معين ، وهما إمامان في هذه الصناعة .

وأما تضعيف ابن معين له فيقال : إنه إضافي أعني أنه إنما ضعّفه بالنسبة إلى غيره ممّن هو فوقه ، وهكذا جمع ابن حجر أقوال ابن معين في راو واحد في كتابه " بذل الماعون " كما في مقدمة إعلاء السنن : ١٦١/١)

فالحاصل أن الواصل لاينزل حديثه عن درجة الحسن ، وهو ممن يقبل حديثه.

وأما مجاهدؒ فهو أجل من أن يعرف ، وقد قال ابن حبان : وكان فقيهاً عابداً ورعاً متقناً . (كتاب الثقات: ٥/ ٤١٩). وفي التهذيب لابن حجر: قال ابن معين ، وأبوزرعة ثقة . قال قتادة : أعلم من بقي بالتفسير مجاهد . قال ابن سعد :كان ثقةً فقيهاً عالماً كثيرَ الحديث . قال العجلي : مكي تابعي ثقة . وقال الذهبي : أجمعت الأمة على إمامة مجاهد والاحتجاج به .(٢)

قال الراقم عفا اللّه عنه : ثبت بهذا التفصيل أن الرواة الذين رووا

---

(۱) مقدمة ابن الصلاح: ۴۴ (۲) تهذيب التهذيب: ۱۰/۴۳-۴۴

هذا الحديث في كراهة الأجزاء السبعة من الحيوان الماكول كلّهم ثقاتٌ ومحتجٌّ بهم ، فالحديث لاينزل عن درجة الحسن ، وقد ذكرنا فيما مرّ أن هذا الحديث قد روي من غير طريق مرسلاً ومرفوعاً ، ومعلوم أن الحديث إذا تعدّدت طرقه يتقوّىٰ ، كما لا يخفىٰ .

فإن قلتَ : أن الحديث في كراهة الأجزاء السبعة مرسل ؛ لأن مجاهداً لم يسمع عن النبي ﷺ ، و المرسل ليس بحجةٍ . قلتُ : إن المرسل حجة عند الحنفية والمالكية ، كما في الأصول، وراجع له " الفية العراقى:٢١ ومقدمة ابن صلاح: ٢٢ ، و نخبة الفكر ونزهة النظر: ١٣ وغيرها من كتب الأصول .

ثم لا يذهب عنك أنه يفهم من رسالة الإمام أبي داودؒ إلى أهل مكة أن الاحتجاج بالمرسل هو قول الائمة قبل الشافعي ، والإمام الشافعي هوأوّل من ردّه . وإليك نص الإمام أبي داود ، فقال : أما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثورى ومالك وأوزاعي ، ثم جاء الشافعي فتكلّم فيه الخ .(١)

ثم الشافعيؒ وغيره ممن تبعه في رد المرسل إنما رده إذا لم يرد بالطرق الأخرى ، وأما إذا جاء المرسل من وجه آخر يحتج به، وكذا إذا تأيد بقول الصحابي أو بقول العلماء والائمة يحتج به، كما في كتب الأصول أيضا .قال العلامة النووي في مقدمة شرحه لصحيح الإمام مسلم : ومذهب مالك وأبى حنيفة وأحمد وأكثر الفقهاء أنه يحتج به ومذهب الشافعى أنه اذا انضم الى المرسل ما يعضده احتج به وذلك

---

(١) مقدمة على المراسيل لأبي داود:١

بأن يروى ايضاً مسنداً أو مرسلاً من جهة أخرى أو يعمل به بعض الصحابة أو أكثر العلماء۔(١)

فعلى هذا ، يحتج بهذا الحديث عند الشافعي عليه الرحمة أيضا ؛ لأنه ورد بوجوه أخر ، وتأيّد بقول العلماء ، فالحديث محتج به .أما طرقه الأخر فقد قدمنا أنه جاء هذا الحديث عن مجاهد عن ابن عباس موصولاً ، ولكن في إسناده عمر بن موسى بن وجيه وهو ضعيف جداً ، بل كذاب ، ذاهب الحديث ،كان يضع الحديث ، وليس بشيء .(٢)

فلا يجدي نفعاً ، نعم جاء هذا الحديث عن ابن عمر عند الطبراني في المعجم الأوسط ، فقال ثنا يعقوب بن إسحاق ثنا يحيى الحماني ثنا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن عبد اللّٰه بن عمر قال : كان رسول الله ﷺ يكره من الشاة الخ وفيه عبد الرحمن بن زيد بن أسلم وهو أيضاً ضعيف .(٣)

ولكنه لا يخفى أن الحديث الضعيف يصلح أن يكون شاهداً ، فهذا الحديث شاهد له وبه يتقوى الحديث المرسل . واللّٰه تعالى أعلم وعلمه أتم وأحكم.

فقط

حرره العبد محمد شعيب الله عفی عنه

---

(١)مقدمة شرح مسلم :١/١٧(٢)انظر الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٦/١٣٣، الكامل لابن عدي: ٥/٩، الكشف الحثيث: ١/١٩٩، لسان الميزان:٤/٣٣٣

(٣)تهذيب الكمال: ١٧/ ١١٤–١١٨، الكامل لابن عدي: ٤/٢٦٩، المجروحين لابن حبان: ٢/٥٦– ٥٩ ، تهذيب التهذيب:٦/١٦١